© rasailojaraid.com

مجیب الرحمن

ہمہ جہت شخصیت

حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق! کہ میں تاریخ کے اس دورا ہے پر اپنے اصلی گھر سے اس گھ میں وارد ہوا کہ جب ایک تہذیب فنا ہو رہی تھی اور دوسری جنم لے رہی تھی۔ پرانی قدریں دم توڑ رہی تھیں اور ان کی جگہ نئی قدریں لے رہی تھیں۔ مٹی کے تیل کے دیے بجھ رہے تھے اور ان کی جگہ برقی قمقمے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مشینیں گھروں میں داخل ہو رہی تھیں اور انسانی جذبات واحساسات میں مشینی پن آ رہا تھا۔ پھر یہ کہ جس گاؤں میں پیدا ہوا۔ (اور یہ یقیناً حسن اتفاق ہے) وہ نہ صرف یہ کہ قدرتی مناظر سے مالا مال تھا۔ بلکہ یہاں متاع دین و دانش کی حفاظت تھی۔ گاؤں نالے کے کنارے آباد تھا۔ کھجوروں کے گھنے جھنڈ عرب کے بادیہ نشینوں کی یاد دلاتے تھے۔ بعض جگہ تو کھجوروں کے درخت اس کثرت سے ہوتے کہ دن کو بھی گزرتے ہوئے ڈر لگتا۔ زندگی بہت سادہ تھی۔ جس پر تکلف کا رنگ نہ تھا۔ آموں کے باغ بھی کثرت سے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتیں اور طیور کی صدائیں گونجتیں تو رنگ بہار پیدا ہو جاتا۔

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمی محفل کی یاد

اب بھی کبھی کارگاہ حیات کے ہنگاموں سے طبیعت بیزار ہوتی ہے، دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہونے لگتی ہے تو اپنے دماغ کے کمپیوٹر میں انہی پرانے مناظر کی ڈسک لگا لیتا ہوں۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

میں نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو گاؤں میں بالعموم اور گھر میں بالخصوص دو بزرگوں کا تذکرہ ہوتے پایا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا احمد علی لاہوری، اباجی مرحوم مولانا لاہوری کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ دورہ حدیث تو انہوں نے خیر المدارس ملتان سے کیا تھا۔ بلکہ مدرسہ کی دورہ حدیث کی پہلی کلاس تھی جس میں اباجی بھی شامل تھے۔ لیکن دورۂ تفسیر انہوں نے حضرت لاہوری سے کیا تھا۔ زیادہ تذکرہ شاہ جی کا ہوتا۔ کوئی جلسہ ہوا، کسی مقرر نے اچھی تقریر کی تو لیجیے شاہ جی پر تبصرہ شروع

"مقرر تو عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ میں نے ان کی تقریر جتوئی میں سنی تھی۔ تب لاؤڈ سپیکر میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔ سپیکروں کے ساتھ جو تاریں لگی ہوئی تھیں میرا خیال تھا کہ مقرر کی آواز ان رسیوں میں سے گزر کر آ رہی ہے......

"میں نے ان کی تقریر خان کی بستی میں سنی تھی۔ جب لوگوں نے ان سے بارش کی دعا بھی کرائی تھی......

"میں نے ان کی تقریر بڑی بستی ارائیں میں...... میں نے ان کی تقریر......"

بس پھر اللہ دے اور بندہ لے! کوئی شخص پیچھے نہ رہتا۔ کسی قاری نے اچھی تلاوت کی۔ تو شاہ جی کی تلاوت کے تذکرے شروع ہو گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سبحان اللہ! یوں تلاوت کرتے تھے۔ جیسے قرآن ابھی ابھی نازل ہو رہا ہو"۔

"سبحان اللہ! سبحان اللہ!

میری نانی اماں نے انہیں بچپن میں دیکھا تھا۔

"میں پوچھتا نانی اماں! کیسے تھے عطاء اللہ شاہ بخاری؟

کیا پوچھتے ہو بیٹا! شیر جوان تھا شیر! فراخ چہرہ تھا اس کا پھر ٹھنڈی آہ بھر کے کہتیں۔

"وہ تو اللہ کے نیک "بانھے" (بندے تھے)

میرے نانا ابا کا لمبا قد اور بارعب سرخ و سفید چہرہ تھا۔ ہاتھ میں ایک موٹی سی لٹھ ہوتی۔ وہ سرخ قمیض پہن کر احرار کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔

میں جی ہی جی میں بڑا کڑھتا۔ کہ شاہ جی کے دور میں کیوں نہ پیدا ہو گیا۔ کہ ان کی تلاوت اور تقریروں سے لطف اندوز ہوتا۔

میرے گاؤں کوٹلہ رحم علی شاہ میں اب بھی گاہے بگاہے مختلف علماء آتے رہتے۔ اس گاؤں کے رئیس سید خلیل احمد شاہ بخاری مرحوم بڑے علمی ذوق کے آدمی تھے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ حضرت سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت تھے۔ شعر و ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ ان کے اس ذوق کی وجہ سے اہل علم حضرات وقتاً فوقتاً یہاں آتے رہتے تھے۔ پھر شاہ جی کے بیٹے اور بالخصوص حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری بھی گاہے بگاہے تشریف لاتے رہتے کہ ان کے اور خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے بھی ان سے گہرے مراسم تھے۔

میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں گا۔ جب حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کا کوٹلہ رحم علی شاہ آنا یاد ہے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تو نہیں دیکھا۔ چلو ان کے بیٹے کو تو دیکھیں گے۔ اور ان کی تقریر سے لطف اندوز ہوں گے۔ لیکن جلد ہی یہ خوشی حیرت میں بدل گئی!!

ہوا یوں کہ شاہ جی کی آمد سے پہلے واقعہ کربلا سے متعلق ایک کتاب میرے ہاتھ لگ گئی۔ مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ کتاب سمجھ میں آتی یا نہ آتی۔ بس پڑھتا چلا جاتا لیکن یہ کتاب آسان اردو میں تھی۔ یہ تو یاد نہیں پڑتا کہ کون سی کتاب تھی، مصنف کون تھا اور اس میں کیا تفصیلات تھیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ کتاب پڑھ کر کئی دن پریشان رہا۔ یزید کے خلاف جذبات اتنے شدید تھے کہ مجھے ان کے اظہار کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ دوسری، تیسری میں پڑھنے والے طالب علم کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے!

میں سید خلیل احمد شاہ صاحب کے ڈیرے پر گیا۔ تو وہاں شیشم کے درخت کے سائے میں ہمارے علاقے کے ایک بڑے عالم دین جو فاضل دیو بند بھی تھے۔ دو تین اور علماء کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے وہ سیخ پا ہو رہے تھے......

"سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی کبھی یزید کو رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہا اور یہ (حضرت ابوذر بخاری) لکھتے ہیں کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تو یہ سن کر بھونچکا رہ گیا

"واہ بھی واہ! یزید اور رحمتہ اللہ علیہ! بہت ہی عجیب آدمی ہیں"۔

یہ میرا ان کی شخصیت سے متعلق پہلا تاثر تھا۔ پھر ایک دفعہ بڑی بستی ارائیں تشریف لائے۔ وہاں بھی تقریر کی، تقریر سمجھ میں آئی یا نہ آئی۔ مبہوت ہو کے سنتا رہا۔ اور دوران تقریر انہوں نے کچھ مزاحیہ باتیں کیں۔ تو انہیں کئی دن تک دہراتا رہا۔ اسکے بعد بھی کوٹلہ اور بڑی بستی ارائیں تشریف لاتے رہے۔ لیکن کوئی قابل ذکر بات یاد نہیں۔ ہاں ان کی شخصیت سے متعلق "انوکھے پن" کا جو احساس قلب و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اس میں مختلف لوگوں کے تبصرے سن کر مزید اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ ان کی باتوں کو اپنی عقل سے سمجھنے کے قابل ہوا۔ اور ان کے قریب جا کے دیکھا تو معلوم ہوا۔

خواب تھا کہ جو کچھ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

وہ "یزید رحمتہ اللہ علیہ" والا طنزیہ تبصرہ ان کے خلاف ہم مسلک مذہبی حلقے کا ایک متعصبانہ جذبے کا اظہار تھا کہ وہ حضرت ابوذر بخاری کے علم اور خطابت کا سامنا نہ کر سکے تو شخصیت کشی کے لئے یہ ہتھیار استعمال کیا۔

ہاں یاد آیا، بڑی بستی ارائیں کے حوالے سے بھی ایک واقعہ ذہن میں محفوظ ہے۔ اس بستی کے ملک اللہ بخش احرار کے بڑے سرگرم کارکن تھے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان کی دعوت پر کئی دفعہ بڑی بستی تشریف بھی لائے۔ پھر ان کے بیٹے ملک فضل کریم کی دعوت پر حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری بھی تشریف لایا کرتے۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو تقریر کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ یاد نہیں پڑتا کہ صاحب دعوت کون تھے۔ انکار کی وجہ یہ تھی کہ میزبان محض انہیں دعوت کا کہہ کر آیا تھا۔ شاہ جی کے تشریف لانے پر ان سے پوچھے بغیر تقریر کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ لیکن شاہ جی نے تقریر کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بعد میں اباجی مرحوم کے اصرار پر انکار نہ کیا اور تقریر فرمائی۔ اصل میں صدیوں کی غلامی نے مسلمان قوم کے اخلاق کا ستیاناس کر دیا تھا۔ دائیں کا کہہ کر بائیں چلنے کا چلن عام تھا۔ معاملات کی صفائی جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے تھی وہ ان میں مفقود تھی۔ شاہ جی معاملات کی صفائی میں بالخصوص سخت رویہ اختیار کرتے اور اس وجہ سے بعض لال بجھکڑ قسم کے لوگ انہیں متشدد بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کی محبت کا ایک انداز تھا۔

ان کے غصے میں ہے دل سوزی تو ملامت میں پیار

مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

١٩٨٢ء کے لگ بھگ میں قرآن مجید حفظ کرنے کیلئے لاہور چلا آیا۔ حفظ کے دوران ہی اباجی مرحوم دو تین ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ شاہ جی کا محبت بھرا تعزیت نامہ آیا۔ جس میں یہ بھی لکھا تھا۔

"میں کسی قریبی فرصت میں آپکی دلداری کی خاطر کوٹلہ رحم علی شاہ میں حاضر بھی ہوں گا۔ اطمینان رکھیں"۔

میں اور بڑے بھائی قاری حبیب الرحمن صاحب اباجی کی وفات کے پندرہ دن بعد ہی لاہور چلے آئے اور پھر سے حفظ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ اب یاد نہیں کہ شاہ جی ہمارے وہاں سے آنے کے بعد تشریف لائے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں بہر حال ہماری ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

ہم دونوں بھائی حفظِ قرآن سے فارغ ہو چکے تھے۔ کہ ایک دن برادرم و استاد قاری محمد عبدالقیوم صاحب نے شاہ جی کو چائے پر بلایا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے چچازاد بھائی احمد الحسینی مرحوم، ذوالفقار بھٹہ صاحب مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم اور کچھ دوسرے علماء بھی مدعو تھے۔ راقم اور برادرم قاری حبیب الرحمن صاحب نے یکے بعد دیگرے تلاوت کی۔ چائے کا دور چلا تو دوسرے حضرات تو چائے پیتے رہے اور شاہ جی اپنا کلام سناتے رہے۔ جو حضرت سید احمد شہید کی منقبت میں ایک طویل نظم تھی۔

اس کے بعد پانچ چھے برس کا ایک طویل وقفہ آیا۔ جس میں نہ تو میں شاہ جی سے ملا اور نہ ہی ان کی تقریر سنی۔ ہوسکتا ہے وہ لاہور آئے ہوں لیکن اپنے تعلیمی مشاغل کی وجہ سے جلسوں میں آنا جانا تھا ہی نہیں۔ اس طویل وقفے کے بعد پہلی اور آخری ملاقات ۱۹۹۴ء کے موسم گرما میں ہوئی۔

میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بعد نماز عصر حاضر ہوا۔ گھر کے برآمدے میں چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے ملتان کیسے آنا ہوا؟ میں نے بتلایا کہ ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل بخاری صاحب (فرزند سید خلیل احمد شاہ بخاری مرحوم) امریکہ سے آئے ہوئے ہیں۔ ان سے ملنے آیا ہوں۔ فرمانے لگے کئی سال سے میری بھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان سے کہیں آ کے مل جائیں۔ عرض کیا آپکا پیغام پہنچا دونگا۔ فرمانے لگے پیغام ہی نہیں پہنچانا انہیں لے کے بھی آنا ہے۔ میں نے کہا ان شاء اللہ پوری کوشش کروں گا۔ محبت بھرے انداز میں فرمانے لگے۔ پھر کوشش! میں کہہ رہا ہوں انہیں لے کے آنا ہے۔ میں ہڈنس پڑا۔ عرض کیا لے کے آؤنگا! پھر فرمانے لگے!

"منطق پڑھی، ادب پڑھا، فلسفہ و تاریخ پڑھی، اور پتہ نہیں کیا کچھ پڑھا۔ اب اللہ سے دعا کی ہے کہ سب کچھ بھول جائے۔ صرف قرآن و حدیث یاد رہ جائے!"

اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد
جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کیلئے

اب یہ تو یاد نہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر خیر گفتگو میں کیسے آیا؟ مگر حضرت شاہ جی نے جس محبت بھرے انداز میں ان کا ذکر کیا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ انہیں اپنے استاد سے کتنی شدید محبت تھی فرمانے لگے:

"میں نے ان جیسا مہتمم، منتظم، استاد، مربی، شفیق و مہربان اور ولی نہیں دیکھا۔"

مغرب کا وقت قریب ہو رہا تھا۔ حضرت شاہ جی سے اجازت لی اور برادرم ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل بخاری صاحب سے ملنے آفیسر کالونی چلے گئے۔ انہیں شاہ جی کا پیغام پہنچایا اور یہ بھی کہا کہ ہم ان سے وعدہ کر آئے ہیں کہ آپکو ان کے ہاں لے کے آئیں گے۔

اگلی صبح نماز فجر کے فوراً بعد شاہ جی کی رہائش گاہ پر ڈاکٹر بخاری صاحب کی معیت میں پھر حاضر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ شاہ جی حسب معمول چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آج پھر
صحبت رہی خوشگوار کچھ دیر!

ڈاکٹر بخاری صاحب ان کے ساتھ ہی چارپائی پر بیٹھ گئے اور ہم لوگ کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ پہلے اپنے مرض کے متعلق بتاتے رہے۔ ڈاکٹر بخاری صاحب نے تشخیص کی اور کچھ دوائیاں بھی تجویز کیں جو بعد میں راقم نے ڈاکٹر صاحب سے لے کر شاہ جی کو پہنچا دیں۔ چند ماہ پیشتر استاد م پروفیسر جعفر بلوچ صاحب نے راجہ محمد عبداللہ نیاز مرحوم کا کلام مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ راجہ مرحوم کے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ چنانچہ میں نے شاہ جی کو اطلاع دی کہ راجہ محمد عبداللہ نیاز کا کلام شائع ہو گیا ہے۔ شاہ جی فرمانے لگے ہاں وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ یہاں آیا کرتے تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا وہ کتاب ضرور بھجوانا۔ جو میں نے بعد میں بھجوا دی تھی۔

ابا جی مرحوم کو یاد کیا۔ فرمانے لگے "بہت نیک آدمی تھے۔" اور پھر رونے لگے!

کوٹلہ رحم علی شاہ اور پھر سید خلیل احمد شاہ بخاری کا تذکرہ ہوا۔ فرمانے لگے سب چلے گئے۔ ہم رہ گئے! ڈاکٹر بخاری صاحب سے پوچھا پھر کب پاکستان آنے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے غالباً ایک سال بعد آنے کو کہا تو فرمانے لگے!

"ہم نہیں ہونگے".....!!

اب ڈاکٹر بخاری صاحب نے اجازت چاہی۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے شاہ جی کیلئے کچھ دوائیاں دیں۔ شاہ جی کو یہ دوائیاں دینے کیلئے میں تیسری دفعہ ان کے ہاں گیا۔ الوداعی مصافحہ کیا تو ہاتھ پکڑ کے محبت بھرے انداز میں فرمانے لگے! پھر کب آؤ گے؟ میں اس کیفیت کو تحریر میں نہیں سمو سکتا کہ انہوں نے کن شفقت اور محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا۔ ان کی محبت بھری باتیں یاد آتی ہیں تو ان کے جانے کا دکھ اور گہرا ہو جاتا ہے۔ کاش! کچھ دیر اور ہم ان کی محبتیں سمیٹتے۔

شاہ جی اپنے رب کے پاس چلے گئے اور یوں نہ صرف ہم اپنے عہد کی ایک بہت بڑی علمی و روحانی شخصیت سے محروم ہو گئے بلکہ ایک محبت کرنے والے انسان سے بھی محروم ہو گئے۔ ان کے انتقال کا غم یوں بھی ہے کہ امت میں ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ وہ ظاہر و باطن دونوں کے مرد میدان تھے۔ وہ صاحب گفتار بھی تھے۔ اور صاحب کردار بھی اور اسی بات نے ان کے قول میں اثر پیدا کر دیا تھا۔ مئی ۱۹۷۱ء میں موچی دروازہ لاہور میں انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تین گھنٹے تقریر کی۔ تو معروف شیعہ عالم سید اظہر حسن زیدی بھی سٹیج پر موجود تھے۔ تقریر کے اختتام پر فرط جذبات میں اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے..... آپ کے والد بھی خطیب تھے اور آپ بھی خطیب ہیں۔ اللہ کی قسم، آج آپ کو بھی تسلیم کرتا ہوں آپ نے خطابت کا حق ادا کر دیا"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ تقریر کرتے تو "ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر" والی کیفیت پیدا ہو جاتی وہ جو اقبال نے کہا تھا .... "گفتارِ دلبرانہ، کردار قاہرانہ" وہ اس کا پورا پورا مصداق تھے۔ انہوں نے قلندروں کے اس طریق کو کہ ہر حال میں زبان دل کی رفیق رہے۔ تادمِ زیست نبھایا وہ واقعی ہمارے عہد کی ایک بہترین (Genius) شخصیت تھے۔ انہوں نے ہر میدان میں اپنی شبانہ روز محنت اور وسعتِ مطالعہ سے اپنا لوہا منوایا۔ وہ ہمہ جہت شخصیت تھے۔ اس صدی کے بہت بڑے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ نے انہیں خلافت سے نوازا، انہوں نے غزلیں کہیں۔ نظمیں لکھیں۔ منقبت کہی، تحقیقی و علمی مضامین لکھے۔ صحافت میں اپنے جوہر دکھائے۔ غرض وہ مقام عقل سے بھی بڑی کامیابی سے گزرے اور مقام شوق میں بھی پیچھے نہ رہے۔

تھی عقل زباں پر اے اکبر اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر

ممتاز رہے ہشیاروں میں سرخیل رہے دیوانوں کے

شاہ جی کی وفات کی خبر پڑھی تو دھچکا سا لگا۔ پتا نہیں کیوں؟ ان کی بیماری کا علم ہونے کے باوجود ایک (Wishful Thinking) پُر امید سوچ میرے قلب و دماغ پر چھائی ہوئی تھی کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور ہم پھر سے ان کی گرم گفتاری کے مزے لیں گے اور ان کی صحبتیں سمیٹیں گے مگر......

سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

ان کو جانا تھا سو چلے گئے! ان کے انتقال کے روز اخبار تاخیر سے پڑھا جلدی پڑھ لیتا تو کم از کم جنازے میں شریک ہو کر ان کا آخری دیدار تو کر لیتا۔ لیکن میری قسمت! ان کی تقاریر کے کچھ کیسٹس میرے پاس تھیں۔ وہ نکالیں اور انہیں سنتا رہا۔ اور ان کی یاد تازہ کرتا رہا

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں

کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

یہ تحریر بھی ان کی یاد کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ مجھے معلوم ہے کہ چھوٹے منہ سے بڑی باتیں کچھ اچھی نہیں لگتیں۔ لیکن اگر عجوزۂ مصر سوت کی انٹی لیکر یوسف کے خریداروں میں شامل ہو سکتی ہے تو پھر میں بھی چھوٹا ہوتے ہوئے ان کی یادوں کو تازہ کر سکتا ہوں۔ انہیں خراج عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔

© rasailojaraid.com